قرآن کا تصورِ عدل

ڈاکٹر خالد علوی☆

عدل اصل میں مصدر ہے جو مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں عدل اور اس کے مشتقات کئی مقامات پر وارد ہوئے ہیں' مثلاً عدل کے معنی فدیہ کے ہیں جیسے:

ولا یؤخذ منها عدل. (۱) اور ان سے فدیہ میں کچھ نہ لیا جائے گا۔

وإن تعدل کل عدل لا یؤخذ منها. (۲)

اگر وہ ہر چیز (جو روئے زمین پر ہے بطور) فدیہ دینا چاہے تو اس سے نہ لیا جائے گا۔

اور عدل کے معنی برابر و یکساں کے بھی آتے ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے:

أو عدل ذلك صیاما لّیذوق وبال أمره. (۳)

یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ اپنے کام کی سزا (کا مزہ) چکھے۔

ابو عمر کے بقول عدل بالفتح کے معنی قیمت کے بھی ہیں' فدیہ کے بھی' مرد صالح کے بھی اور حق و انصاف کے بھی۔ (۴)

قرآن پاک میں یہ لفظ اور اس کے مشتقات چھبیس مرتبہ آئے ہیں اس سے اس کی اہمیت اور تصور کی وسعت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ عدل اپنے لغوی مفہوم کے اعتبار سے جس تنوع کا حامل ہے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم اس کا جائزہ ایک اصطلاح کے طور پر لینا چاہتے ہیں جسے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں خاص طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر ہم عدل کے استعمالات کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس کے تصور میں دو مستقل حقیقتیں پنہاں

☆ پروفیسر سیرت' ادارہ علومِ اسلامیہ' جامعہ پنجاب' لاہور

ہیں۔

ایک لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن و تناسب قائم ہو اور دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقہ سے دیا جائے۔ ہمارے ہاں جو اصطلاح "انصاف" استعمال ہوتی ہے وہ عدل کا مفہوم پوری طرح ادا نہیں کرتی کیونکہ اس کا مطلب نصف کی تقسیم ہے۔ عدل بعض حالات میں بلاشبہ مساوات کا متقاضی ہوتا ہے جیسے حقوق شہریت مگر بعض دوسری حیثیتوں میں مساوات عدل کے منافی معلوم ہوتی ہے جیسے والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی و اخلاقی مساوات۔ عدل کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ حقوق میں توازن قائم کیا جائے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی، سیاسی اور تمدنی حقوق ادا کئے جائیں۔

عدل اللہ کی ایک صفت ہے۔ اس کے اسماء حسنیٰ میں ایک اسم عدل بھی ہے یعنی اس کی بات، اس کا فعل اور اس کا فیصلہ توازن و تناسب کے منافی نہیں ہوتا وہ حق و عدل ہے اور اس کی ذات سے صادر ہونے والی ہر شے حق و عدل ہے۔

واللّٰہ یقضی بالحق والّذین یدعون من دونہ لا یقضون بشیء إنّ اللّٰہ ھو السمیع البصیر۔(۵)

اور اللہ سچائی کے ساتھ حکم فرماتا ہے اور جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ بھی حکم نہیں کر سکتے بیشک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

یہ آیت اس بیان کا حصہ ہے جس میں عظمت الٰہی اور اس کے مطلق اختیارات کا ذکر ہے۔ قیامت کے دن انسانی اعمال کا جو فیصلہ ہوتا ہے اس میں کوئی زیادتی اور .... حق تلفی نہیں ہو گی۔ اس سے پہلے کی آیات میں اللہ کا اعلان موجود ہے کہ کسی پر ظلم نہیں ہو گا۔ یہ اس کے فعل عدل کی مثال ہے۔

ألیوم تجزیٰ کل نفس بما کسبت لا ظلم الیوم. إنّ اللّٰہ سریع الحساب۔ (٦)

آج کے دن ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا آج کسی پر ظلم نہیں ہو گا بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

انسانی مصلحتوں کے پردے میں صحیح بات کہنے سے گریز کرتا ہے۔ حق کو چھپاتا ہے

اور اس طرح عدم توازن اور عدم تناسب کا ارتکاب کر کے عدل کے منافی رویہ اختیار کرتا ہے لیکن قدر مطلق حق بات کہنے سے نہیں رکتا کہ یہی اس کی صفت عدل کا تقاضا ہے ' عربوں کی رسمِ متبنیٰ کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

ذٰلکم قولکم بإفواهکم واللّٰه یقول الحقّ وهو یهدی السّبیل۔ (۷)

یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں اللہ تو حق بات کہتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

رب کائنات نے اپنے رویۂ عدل کو نہایت واضح طور پر سورۂ الانعام میں بیان فرمایا۔ اسلوب بیان سے عدل کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ فرمایا:

وتمّت کلمة ربّك صدقا وّعد لا. لا مبدّل لکلماته. وهو السّمیع العلیم. (۸)

اور آپ کے پروردگار کی باتیں سچائی و عدل میں پوری ہیں اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اللہ کی صفت عدل کا تکوینی اظہار پوری کائنات میں عیاں ہے۔ کائنات کا نظم' اس کی ترکیب ' اس کے اجزاء اور اس کی حرکت و سکون سب مظاہر عدل ہیں کہیں خرابی و بدنظمی کا شائبہ تک نہیں۔ ارشاد باری ہے:

ما تریٰ فی خلق الرّحمن من تفوت فارجع البصر هل تریٰ من فطور ثمّ ارجع البصر کرّتین ینقلب إلیك البصر خاسئاً و هو حسیر. (۹)

(دیکھنے والے) کیا تو خدائے رحمٰن کی آفرینش میں نقص دیکھتا ہے ؟ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ بھلا تجھے شگاف نظر آیا۔ پھر دوبارہ نظر کر تیری نظر (ہر بار) تیرے پاس ناکام اور نامراد تھک کر لوٹ آئے گی۔

پھر فرمایا:

شهد اللّٰه أنّه لا إله إلّا هو والملٰئکة و اولوا العلم قائماً بالقسط لا إله إلّا هو العزیز الحکیم. (۱۰)

اور اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں' فرشتوں نے اور اہل علم نے بھی وہی اللہ عدل سے قائم ہے ' اس غالب حکمت والے کے سوا کوئی لائق

عبادت نہیں۔

رب کریم کا عدل تکوینی طور پر اس کائنات میں جاری و ساری ہے اور اس نے بااختیار انسان کو عدل کا رویہ اختیار کرنے کے لئے اپنے خاص بندوں کو عدل کا پابند کیا۔

حضرت داؤد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

یا داؤد إنّا جعلنٰك خليفة في الأرض فاحكم بين النّاس بالحقّ ولا تتّبع الهوىٰ فيضلّك عن سبيل الله.(۱۱)

اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا تم حق کے ساتھ لوگوں کے درمیان فیصلے کرو اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہیں اللہ کے رستے سے بھٹکا لے جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عدل کرنے کے اعلان کا حکم ہوا۔

قل اٰمنت بما أنزل الله من كتاب وّامرت لاعدل بينكم. الله ربّنا و ربّكم لنا أعمالنا ولكم أعمالكم لا حجّة بينا وبينكم الله يجمع بيننا وإليه المصير.(۱۲)

آپ کہہ دیں کہ جو کتاب اللہ نے نازل کی ہے میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں اللہ ہی ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے ہم کو ہمارے اعمال کا بدلہ ملے گا اور تم کو تمہارے اعمال کا۔ ہم اور تم میں کوئی بحث و تکرار نہیں اللہ ہم سب کو اکٹھا کرے گا اور اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عادلانہ مزاج اور رویے کو منشاء الٰہی کے طور پر پیش کیا گیا اور تاریخ گواہ ہے کہ آپؐ کی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ عدل کی عملی تفسیر تھا۔ آپ نے اہل کتاب، مشرکین، مخالفین، منافقین، اصدقا اور اقرباء حتیٰ کہ اپنی ذات تک کہیں بھی عادلانہ روش سے انحراف نہیں کیا ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غنائم تقسیم کر رہے تھے کہ عبداللہ ابن ذی الخویصرہ نے آپؐ سے کہا:

"اعدل یا رسول الله" یا رسول اللہ آپؐ عدل کریں۔

آپ نے جواب میں جو کچھ فرمایا وہ آئندہ نسلوں کے لئے نصیحت و عبرت کا سامان

ہے۔ فرمایا:

" ویلك من یعدل اذالم اعدل " (۱۳)

تم ہلاک ہو' اگر میں عدل نہ کروں گا تو کون کرے گا۔

منشاء الٰہی کی تشریعی تنفیذ کے لئے صاحب ارادہ و اختیار انسانوں کو حکم ہوا کہ عدل و احسان کا رویہ اختیار کریں۔

إنّ اللہ یأمر بالعدل والإحسان. (۱۴) اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔

عدل ایک تصور ہے' ایک عمل ہے یہ زندگی کا ایک طریق ہے' زندگی چونکہ اپنی وسعت کے باعث کئی پہلو رکھتی ہے اس لئے عدل بھی متنوع مظاہر کا حامل ہے اور اسے مختلف تعبیروں سے بیان کیا جاتا ہے مثلاً انفرادی' اجتماعی اور پھر اجتماعی عدل میں معاشرتی سیاسی' معاشی اور قانونی عدل۔ قرآن نے ان تمام مفاہیم کا احاطہ کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوہ کے ذریعے اس کی بے نظیر وضاحتیں کی ہیں۔ کتاب و سنت کے مفاہیم و مظاہر کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عدل اسلام میں کتنی اہمیت رکھتا ہے۔

انفرادی عدل

انسان اپنے انفرادی رویّوں اور مزاج کے لحاظ سے افراط و تفریط اور ظلم و زیادتی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ وہ حبِ مال اور حب ذات کے باعث متوازن طرز عمل سے ہٹ جاتا ہے۔ اور اس کا یہی انفرادی رویّہ بڑے بڑے اجتماعی خطرات کا باعث بھی ہو سکتا ہے۔ قرآن نے اس کے مزاج کو معتدل رکھنے کے لئے خصوصی ہدایات فرمائی ہیں۔

قرآن پاک کی اصطلاح "القسط"(۱۵) انہی معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔

یٰأیّھا الّذین آمنوا کونوا قوّامین لله شھداء بالقسط ولا یجر منّکم شنآن قوم علی أن لّا تعدلوا إعدلوا ھو أقرب للتّقوىٰ. واتّقوا اللہ إنّ اللہ خبیر بما تعملون. (۱۶)

اے ایمان والو اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کی خاطر کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بلاشک اللہ تمہارے

سب اعمال سے باخبر ہے۔

قل أمر ربّی بالقسط. (۱۷)

کہہ دو کہ میرے پروردگار نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔

وکذٰلك جعلنا کم امّة وّسطاً لّتکونوا شهداء علی النّاس و یکون الرّسول علیکم شهیدا.(۱۸)

اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پھر نبی (آخر الزمان) تم پر گواہ بنیں۔

حب مال کے مفاسد سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

وأمّا من بخل واستغنیٰ وکذّب بالحسنیٰ فسنیسّره للعسریٰ. (۱۹)

اور جس نے بخل کیا بے پرواہ رہا اور نیک بات کو جھٹلایا ہم اسے سختی میں پہنچائیں گے۔

الّذین یبخلون ویأمرون النّاس بالبخل ویکتمون ما آتاهم اللّه من فضله وأعتدنا للکفرین عذابا مّهینا. (۲۰)

جو خود بھی بخل کریں اور لوگوں کو بھی بخل سکھائیں اور جو مال اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اسے چھپا چھپا کے رکھیں اور ہم نے ناشکروں کے لئے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وتحبّون المال حبّاً جمّاً. (۲۱)

اور مال کو بہت عزیز رکھتے ہو۔

زیّن للنّاس حبّ الشّهوات من النّساء والبنین والقناطیر المقنطرة من الذّهب والفضّة والخیل المسوّمة والأنعام والحرث ذالك متاع الحیوٰة الدّنیا واللّه عنده حسن المآب.(۲۲)

لوگوں کو ان کی خواہشوں کی چیزیں یعنی عورتیں اور بیٹے اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی بڑی زینت دار معلوم ہوتی ہیں مگر یہ سب دنیا کی زندگی کے سامان ہیں اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔

ویل لّکلّ همزة لّمزة ن الّذی جمع مالا وّعدّده یحسب أنّ ماله أخلده. (۲۳)

طعن آمیز اشارے کرنے والے چغل خور کی خرابی ہے جو مال جمع کرتا اور گن گن کر رکھتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کی ہمیشہ کی زندگی کا موجب ہو گا۔

حب ذات کی حقیقت اور اس کے مفاسد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ولا تمش فی الأرض مرحا إنّك لن تخرق الأرض ولن تبلغ الجبال طولا. (۲۴)

اور زمین پر اکڑ کر مت چل کہ تو زمین پھاڑ تو نہیں ڈالے گا اور نہ لمبا ہو کر پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچ جائے گا۔

إنّ الله لا يحبّ من كان مختالاً فخورا. (۲۵)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے' بڑائی مارنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

لا تمش فی الأرض مرحا۔ إنّ الله لا يحبّ كل مختال فخور. (۲۶)

اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا کہ اللہ کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا۔

حب مال اور حب ذات فرد کی زندگی میں اعتدال و توازن کی بجائے فساد و بگاڑ پیدا کرتے ہیں اور انسان عدل کی بجائے ظلم کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اعتدال و توازن انسان کی انفرادی زندگی میں اجتماعی فلاح و بہبود کی راہ ہموار کرتا ہے اس لئے عدل کی صفت کو فرد کی تربیت میں بنیادی اہمیت ہے۔ مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وممّن خلقنا امّة يّهدون بالحقّ وبه يعدلون. (۲۷)

اور ہماری مخلوق میں سے ایک وہ لوگ ہیں جو حق کا راستہ بتاتے ہیں اور اس کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔

ومن قوم موسى امّة يّهدون بالحقّ وبه يعدلون. (۲۸)

اور قوم موسیٰ میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کا راستہ بتاتے اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔

اجتماعی عدل

عدل فرد کی زندگی میں اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ معاشرے کے اجتماعی وجود کے لیے۔

اسلام کے اجتماعی نظام میں عدل کی وہی اہمیت ہے جو کسی عمارت میں اساس کی ہوتی ہے۔ مستحکم اجتماعی عدل کے تحت معاشرتی' سیاسی' معاشی اور قانونی عدل کے پہلو آتے ہیں۔ قرآن نے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں ایک نقطہ نظر دیا ہے جسے اپنانے سے صحت مند معاشرتی ماحول قائم کیا جا سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان نکات کی قولی و عملی تشریح منقول ہے جسے کتب حدیث میں دیکھا جا سکتا ہے۔

اجتماعی عدل اسلامی نقطہ نظر سے ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے۔ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں داخل ہیں وہ فکر و عمل اور ضمیر و وجدان سب پر چھلیا ہوا ہے اس کا انحصار معاشی قدروں پر ہے یہ اپنے وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے صرف مادی قدروں تک محدود نہیں بلکہ مادی' معنوی اور روحانی تمام طرح کی اقدار کے ایک خوشگوار امتزاج کا نام ہے۔(۲۹)

معاشرتی عدل

اجتماعی زندگی میں ناانصافی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب افراد میں معاشرتی امتیازات ظاہر ہوتے ہیں اور غلام و آقا' عام و خاص کمتر و برتر اور ظالم و مظلوم کے طبقات پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہی طبقاتی تقسیم بالآخر اس معاشرے کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔ قرآن پاک نے معاشرتی مساوات کا تصور دے کر ظلم کی جڑ کاٹ دی اور انسان کے خود ساختہ معیار برتری اور غلط پندار کی نفی کر کے عادلانہ روش کی راہ ہموار کی۔ ارشاد خداوندی ہے۔

یٰأیّھا النّاس اتّقوا ربّکم الّذی خلقکم من نفس وّاحدة وّخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا وّنساء وّاتّقوا اللہ الّذی تساء لون به والأرحام. (۳۰)

> لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اسی جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو۔

رنگ و نسل کا امتیاز بھی بسا اوقات ظلم کا باعث بنتا رہا ہے اس کی حقیقت بھی

واضح کی ۔ فرمایا:

یٰأیّھا النّاس إنّا خلقنا کم من ذکر وّأنثیٰ وجعلنا کم شعوباً وّقبائل لتعارفوا إنّ أکرمکم عنداللّٰہ اتقاکم.(۳۱)

اے انسانو! ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری مختلف قومیں اور خاندان بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

حضور اکرمؐ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

یا معشر قریش ان اللّٰہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالآباء ایھا النّاس کلکم من آدم وآدم من تراب لا فخر للانساب لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقلکم.(۳۲)

اے گروہ قریش۔ اللہ نے تمہاری جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا کی بزرگی کے فخر کو تم سے دور کر دیا۔ اے لوگو! تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے تھے۔ نسب کے لئے کوئی فخر نہیں ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں تم میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

اسلام نے اونچ نیچ کے سارے امتیازات یک قلم مٹا دیے اور تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ مساوات انسان کا اتنا عظیم تصور عملی صورت میں ظاہر ہوا ۔ معاشرتی مساوات کے اس تصور پر اتنا زور اس لئے دیا گیا کہ اس کی غیر موجودگی سے ہی ظلم کی راہ کھلتی ہے ۔ مساوات کا یہی تصور ہے جس نے امیر و حقیر یا غلام و آقا کے درمیان کوئی امتیاز نہیں رہنے دیا ۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

من قتل عبدہ قتلناہ ومن جدع عبدہ جد عناہ و من اخصی عبدہ اخصیناہ (۳۳)

جو اپنے غلام کو قتل کرے گا اسے ہم قتل کریں گے جو اس کی ناک تراشے گا اس کی ناک تراش لی جائے گی اور جو اسے خصی کرے گا ہم اسے خصی کریں گے۔

معاشرتی ظلم کی ایک نوعیت عورت کے حقوق کی نفی تھی جسے قرآن نے ختم کیا اور دنیا کو احساس دلایا کہ اس کی حیثیت مجبوز و بے بس غلام کی نہیں بلکہ تمہارے جیسے انسان کی ہے اس نے انسان کو حقوق و فرائض کی مساوات کا احساس دلایا۔ فرمایا:

ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف وللرجال علیهن درجة (۳۴)

عورتوں کے لئے معروف طریقہ پر وہی حقوق ہیں جیسے کہ مردوں کے حقوق کے اوپر ہیں البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔

مرد و عورت کے روابط میں شکست و استحکام کی صورتوں میں عادلانہ رویہ کی طرف خصوصی توجہ دلائی گئی۔ اگر کسی وجہ سے عدل کا رویہ قائم نہ رہ سکتا ہو تو اس کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔ مثلاً قرآن نے ایک سے زائد نکاح کی اجازت دی لیکن اسے عدل کی روش سے مشروط کیا۔ فرمایا:

وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النسآء مثنی و ثلاث وربع فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدةً او ما ملکت ایمانکم ذالك ادنی الا تعولوا (۳۶)

اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تم کو پسند ہوں، دو دو، تین تین یا چار چار ان سے نکاح کر لو اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ سب سے یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت ہی (کافی ہے) یا باندی جس کے تم مالک ہو۔ اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا آیت کے آغاز، درمیان اور اختتام پر عادلانہ روش کا تذکرہ کس خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یوں کہیئے کہ پورے طرز عمل کو عدل کے ساتھ مقید کر دیا گیا ہے۔

عورتوں کے حقوق کی طرح باہمی یتیموں کے سلسلے میں بھی عدل کی بات کی گئی اور باہمی معاملات میں عدل کو کیسی اہمیت دی گئی اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ لین دین کے معاملات حتی کہ کسی کے بارے رائے دینے تک میں عدل کا ذکر کیا گیا ہے فرمایا:

ولیکتب بینکم کاتب بالعدل (۳۷)

اور تمہارے باہمی معاملے کو کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھ دے۔

اسی طرح اسلام نے معاشرتی عدل کو قائم رکھنے کے لئے ان تمام رکاوٹوں کو دور کیا جو ظلم کا ذریعہ بن سکتی تھیں۔

سیاسی عدل

انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر سب سے زیادہ ظلم کا شکار اس وقت ہوتا ہے جب معاشرے کا سیاسی انتظام غیر عادل ہاتھوں میں ہوتا ہے کیونکہ ظالم سیاسی نظام افراد معاشرہ سے نہ صرف ان کے حقوق چھینتا ہے بلکہ ان کے امن و سکون کو بھی برباد کر دیتا ہے۔ قرآن نے قوت اور عدل کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے۔

ولقد أرسلنا بالبيّنات وأنزلنا معهم الكتاب والميزان ليقوم النّاس بالقسط وأنزلنا الحديد فيه باس شديد ومنافع للنّاس.(۳۸)

> اور ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ اور ہم نے لوہا اتارا جس میں زبردست طاقت ہے اور لوگوں کے لئے فائدے ہیں۔

يا داؤد إنّا جعلنك خليفة فى الارض فاحكم بين النّاس بالحقّ ولا تتّبع الهوىٰ فيضلّك عن سبيل الله.(۳۹)

> اے داؤد ہم نے تمہیں زمین پر خلیفہ مقرر کیا ہے۔ پس تم لوگوں میں حق اور صداقت سے حکومت کرو اور خواہش کے پیچھے نہ لگ جانا' ورنہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکا دے گا۔

سیاسی عدل کے ضمن میں وہ مرحلہ بڑا مشکل ہوتا ہے جب دو مسلم گروہ باہم آمادہ پیکار ہوں۔ ایسے میں اس بات کا امکان ہے کہ سیاسی قوت کسی ایک فریق کی طرف جھکاؤ کا اظہار کرے قرآن پاک نے اس کے لئے عدل کو معیار بنایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما فإن بغت احدهما على الاخرىٰ فقاتلوا الّتى تبغى حتّى تفىء إلى امرالله ' فإن فاء ت فأصلحوا بينهما بالعدل وأقسطوا

إنّ اللہ یحبّ المقسطین.(۴۰)

اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے' یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کر لے۔ پھر اگر رجوع کر لے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کر دو اور انصاف کا خیال رکھو۔ بے شک اللہ تعالی انصاف والوں کو پسند کرتا ہے۔

سیاسی عدل کے مفہوم میں انتظامی و تنظیمی ظلم و بگاڑ کو دور کر کے ایسی فضا قائم کرنا ہے کہ کوئی شہری محرومی کا شکار نہ ہو اور ہر ایک کو اپنے حقوق محفوظ نظر آئیں۔ جان و مال' عزت و آبرو اور حریت و اختیار ہر قسم کی مداخلت سے محفوظ رہیں۔ اسلام نے حقوق و فرائض میں جو عادلانہ نظام قائم کیا ہے وہ اپنی انفرادیت و افادیت کے باعث آج بھی اسی طرح پرکشش ہے جیسے چودہ سو برس پہلے تھا۔

سیاسی عدل اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں معاشرے کا اجتماعی وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے اور معاشرے کی حیثیت ایک جنگل کی سی ہو جاتی ہے جس میں وہی بچ سکتا ہے جو ظالم اور خونخوار ہو۔ سیاسی عدل ہی معاشرے کو متوازن اور مامون زندگی کی ضمانت دے سکتا ہے۔ قرآن و سنت میں امراء و حکام کی صفات' ذمہ داریوں اور طرز عمل کے بارے میں جو تفصیلات آئی ہیں ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ظلم کو ختم کرنے اور عدل کو قائم کرنے میں کتنی فضیلت ہے۔ ان تفصیلات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نازک ذمہ داری کا احساس کس طرح دلایا ہے۔ مندرجہ ذیل نصوص بطور شواہد پیش کی جا سکتی ہیں۔

واذابتلیٰ ابراھیم ربّہ بکلمات فاتمّھنّ قال انّی جاعلك للنّاس اماما قال ومن ذرّیتی قال لا ینال عھدی الظّالمین. (۴۱)

اور یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان میں پورا اترا تو رب نے فرمایا میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ ابراہیمؑ نے کہا کیا میری اولاد میں سے بھی؟ فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔

أم نجعل الّذين آمنوا وعملوا الصّلحٰت كالمفسدين فى الارض ام نجعل المتّقين كالفجّار. (۴۲)

کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں۔ ان لوگوں کی طرح کر دیں جو زمین میں فساد کرتے ہیں' کیا ہم پرہیزگاروں کو فاجروں کی طرح کر دیں۔

وشددنا ملکه وآتیناه الحکمة وفصل الخطاب. (۴۳)

اور داؤدؑ کی بادشاہی کو ہم نے مضبوط کیا اور اسے حکمت اور فیصلہ کن بات کہنے کی صلاحیت دی۔

قال اجعلنی علیٰ خزائن االأرض انّی حفیظ علیم. (۴۴)

یوسفؑ نے کہا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مامور کر دے' بے شک میں حفاظت کرنے والا اور باخبر ہوں۔

ان نصوص سے واضح ہوتا ہے کہ سیاسی انتظام کے لیے کیسے افراد مطلوب ہیں اور انہیں کیا کرنا چاہیے؟ رسول اللہؐ نے امراء کو امانت اور جوابدہی کے تصور سے سرشار کیا۔ اس ضمن میں امام بخاری اور مسلم نے حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

مامن وال یلی رعیة من المسلمین فیموت وهو غاش لهم الاحرم الله علیه الجنة.(۴۵)

کوئی حکمران جو مسلمانوں میں سے کسی رعیت کے معاملات کا سربراہ ہو' اگر اس حالت میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دھوکہ اور خیانت کرنے والا تھا' تو اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذرؓ کو اس انتظام کی اہمیت و نزاکت کا احساس دلایا۔ آپؐ کے الفاظ سے اس کی شدت کا پتہ چلتا ہے۔

یا ابا ذر انك ضعیف وانها امانة وانها یوم القیامة خزی وندامة الامن اخذبحقها وادی الذی علیه فیها. (۴۶)

اے ابوذر! تم کمزور آدمی ہو اور حکومت کا منصب ایک امانت ہے۔ قیامت کے روز وہ رسوائی اور ندامت کا موجب ہو گا۔ سوائے اس شخص کے جس نے اس

کے حق کا پورا پورا لحاظ رکھا اور جو ذمہ داری اس پر عائد تھی اسے ٹھیک ادا کیا۔

من اخون الخیانة تجارة الوالی فی رعیته. (۴۷)

کسی حاکم کا اپنی رعیت میں تجارت کرنا بدترین خیانت ہے۔

رسالت محمدیؐ کے فیض یافتہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حکمران کی بے انصافی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

من یظلم المؤمنین فانما یخفر الله. (۴۸)

اور جو مسلمانوں پر ظلم کرے، وہ خدا سے غداری کرتا ہے۔

مسلمان حکمرانوں نے امانت اور جوابدہی کے اسی تصور کے زیر اثر سیاسی عدل کی ایسی تابناک مثالیں پیش کی ہیں جنہیں تاریخ کی زینت قرار دیا جاتا ہے۔

معاشی عدل

حیات انسانی میں وازن و ہم آہنگی کا جو تصور اسلام نے دیا ہے اسے برقرار رکھنے میں معاشی عدل کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ معاشی زندگی میں ظلم و استحصال، زراندوزی اور اسراف و تبذیر سے ہوتا ہے جبکہ اسلام انفاق فی سبیل اللہ، حق معیشت کی مساوات اور ایثار کے اصولوں سے معاشی عدل کی راہ ہموار کرتا ہے دورِ حاضر معاشی فلسفوں اور اقتصادی انقلابات کی زد میں ہے۔ باہمی کش مکش اور تصادم نے معاشی ظلم کے ہولناک مناظر پیش کیے ہیں۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت کے خودغرضانہ اور ظالمانہ نظاموں سے نجات کی صورت اسلام کا تصور عدل ہے۔ ناجائز ذرائع اختیار کرنے اور لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر دولت سمیٹنے کے ظالمانہ طریق سے روکتے ہوئے اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا۔

ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بهاالی الحکّام لتأکلوا فریقا من اموال النّاس بالإثم وانتم تعلمون.(۴۹)

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ اور ان کو حکام کے سامنے پیش کرو تاکہ لوگوں کے مال جانتے بوجھتے گناہ کے ساتھ کھا جاؤ۔

إنّ الّذين يأكلون اموال اليتامىٰ ظلما انّما يأكلون فى بطونهم ناراً وسيصلون سعيرا. (۵۰)

جو لوگ یتیموں کے اموال ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب وہ جہنم کی آگ میں جلیں گے۔

احلّ الله البيع و حرّم الرّبٰوا. (۵۱)

اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔

ويل لّلمطفّفين الّذين اذا اكتالوا على النّاس يستوفون واذا كالوهم او وّزنوهم يخسرون.(۵۲)

تباہی ہے ان کم تولنے والوں کے لئے جو دوسروں سے لیتے ہوقت تو پورا پیمانہ بھر کے لیتے ہیں اور دوسروں کو ناپ تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔

بیجا خرچ بخل اور اکتناز کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

كلوا واشربوا ولا تسرفوا انّه لا يحبّ المسرفين. (۵۳)

کھاؤ اور پیو مگر حد سے نہ بڑھو اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

ولا تبذّر تبذيرا انّ المبذّرين كانوا اخوان الشياطين وكان الشّيطٰن لربّه كفورا.(۵۴)

فضول خرچی نہ کرو ' فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

ويل لّكلّ همزة لّمزة ن الّذى جمع مالا وّعدّده يحسب انّ ماله اخلده كلّا لينبذنّ فى الحطمة.(۵۵)

بڑی خرابی ہے ہر اس شخص کے لئے جو عیب چین اور بدگو ہے ' جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا' ہر گز نہیں وہ ضرور پھینکا جائے گا توڑ دینے والی آگ میں۔

والّذين يكنزون الذّهب والفضة ولا ينفقونها فى سبيل الله فبشّرهم بعذاب أليم.(۵۶)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک سزا کی خبر دے۔

اسلام نے حق معیشت کی مساوات ایثار و انفاق کے ذریعے معاشرے سے معاشی ناہمواریوں کو دور کیا تاکہ کوئی شخص محروم المعیشت نہ رہے۔ اسلام کے عادلانہ نظام میں

لوگوں کا انفرادی معاشی استحکام اساسی اہمیت کا حامل ہے۔ ارشاد باری ہے:

وما من دآبّة فی الارض الّا علی اللّٰه رزقها. (۵۷)

اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمّے ہے۔

یاایّها الّذین اٰمنوا انفقوا من طیّبات ما کسبتم و ممّا اخرجنا لکم من الارض ولا تیمّموا الخبیث منه تنفقون ولستم باخذیه الّا ان تغمضوا فیه واعلموا انّ اللّٰه غنیّ حمید.(۵۸)

اے ایمان والو' اللہ کی را میں خرچ کرو ان عمدہ چیزوں میں سے جو تم نے کمائی ہیں اور جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں۔ ردّی چیزیں الگ کر کے اللہ کی راہ میں نہ دو حالانکہ اگر وہ تمہیں دی جائیں تو تم ہرگز انہیں نہ لو۔اور یہ کہ اغماض برت جاؤ۔ خوب جان لو کہ اللہ بے نیاز اور بہترین صفات رکھتا ہے۔

والّذین فی اموالهم حق لّلسائل والمحروم. (۵۹)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے مال و دولت میں حق ہے' سوالی اور محروم کے لئے۔

ویؤثرون علیٰ انفسهم ولو کان بهم خصاصة. (۶۰)

اور ان کو اپنی جان سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔

علامہ اقبالؒ نے اسلام کے معاشی عدل کو شعر کے پیرایہ میں اس طرح بیان کیا ہے:

تانہ باشد در جہان محتاج کس نکتۂ شرع مبین ایں است و بس

باہمی احترام' احساس ذمہ داری اور خدمت کے نتیجے میں اجتماعی تکافل کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔

من کان معه فضل ظهر فلیعد به علی من لا ظهرله ومن کان عنده فضل زاد فلیعد به من لا زادله.(۶۱)

جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اسے اس کے حوالے کر دے جس کے پاس کوئی سواری نہ ہو اور جس کے پاس زاد راہ زاید ہو تو جس کے پاس زاد راہ نہ ہو وہ اسے دے دے۔

قانونی عدل

اجتماعی زندگی میں جب حقوق و فرائض میں عدم توازن پیدا ہوتا ہے ' حقوق پامال ہوتے ہیں یا فرد اور اجتماع کے وجود کو خطرات لاحق ہوتے ہیں تو ضوابط و قوانین ہی تحفظ کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ انسان نے اپنی اجتماعی زندگی کے آغاز ہی سے قوانین و ضوابط کی تشکیل و تنفیذ کا عمل شروع کر دیا تھا۔ فساد و بگاڑ کو امن و استحکام میں بدلنے کے لئے قوانین کا عادلانہ استعمال مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ قانون سازی اور تنفیذ قانون ایک طویل عمل ہے جو حیات انسانی کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ انسان نے اپنے لئے اپنی عقل' تجربے' مشاہدے اور باہمی مشاورت سے قوانین بنائے اور خالق انسان نے بھی اپنی حکمت بالغہ کے تحت اسے اصول و ضوابط عطا فرمائے انسان کے پاس قوانین کے اصولی اور تشریحی تفاصیل کا ایک ذخیرہ موجود ہے لیکن اس کے باوجود انسانی معاشرے ظلم و ناانصافی کا شکار اور عدل کی برکات سے محروم ہیں اس کا ایک سبب تو عادلانہ قوانین کے شعور کا فقدان ہے اور دوسری وجہ ان قوانین کے درست نفاذ میں کوتاہی ہے۔ قرآن نے حکمت الٰہی سے وہ اصول دیئے ہیں جن کے ادراک اور تعمیل سے ظلم کی نفی ہوتی ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عملی نفاذ کا نمونہ بھی عطا کیا ہے تاکہ اس کی پیروی سے ہر دور میں قیام عدل کی عمل جاری رکھا جا سکے۔ انسانیت بالعموم اور مسلمان بالخصوص کم شعوری اور کوتاہی کے باعث ظلم کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ قرآنی نقطہ سے قیام عدل انبیاء کی بعثت کا مقصد رہا ہے۔ قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے:

إنّ الله يامر بالعدل. (٦٢)

اللہ تعالیٰ تم کو عدل کے طرز عمل کا حکم دیتا ہے۔

واذا حكمتم بين النّاس ان تحكموا بالعدل. (٦٣)

اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

اسلامی نقطہ نظر سے چونکہ ظلم معاشرے کی بنیادیں ہلا دیتا ہے اس لئے اس کی ہر قسم کو ختم کرنا ضروری ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو ظلم کرنے سے روکا

اور فرمایا:

ان الظلم ظلمات یوم القیامة. (۶۴)

ظلم قیامت کے دن اندھیروں کی مثل ہو گا۔

ضابطے اور قانون کے نفاذ کے سلسلے میں اسلام نے کسی کوتاہی اور کمزوری کے بغیر اقدام کیا ہے۔ ہم قیام عدل کے ضمن میں صرف دو اصولوں کے بیان پر اکتفا کریں گے جو نظام عدل اور قیام عدل کی روح اور اساس ہیں۔

۱- عدل قائم کرنے والے افراد

۲- قیام عدل کا عمل

عادل افراد

قرآن کی رو سے منصبی ذمہ داری کے لئے سب سے اولیں بات افراد کی اہلیت ہے اگر قیام عدل کی ذمہ داری نااہل افراد کے سپرد ہو گی تو اس کے نتائج ظلم کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ وہ لوگ جنہیں قانون، مقاصد قانون، جرائم کے اسباب و نتائج، سزا کی نوعیت و حکمت اور معاشرے کے اجتماعی اخلاقی مفاد کا کامل شعور نہیں اور صرف معاشرتی مرتبے اور تنخواہ کی کشش نے انہیں کرسئ عدالت پر بٹھا دیا ہے وہ بقول ڈاکٹر برہان احمد فاروقی عدل کی قربان گاہ ہی تیار کریں گے۔ قرآن نے اس اہم نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

انّ اللہ یامرکم ان تودو الا مانات الیٰ اھلھا واذا حکمتم بین النّاس ان تحکموا بالعدل.(۶۵)

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے حوالے کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہدہ طلب کرنے والوں کو ناپسند (۶۶) فرمایا ہے کیونکہ اس امر کا امکان ہے کہ عہدہ طلبی کے پیچھے خواہش نفس کا کوئی ظالمانہ پہلو چھپا ہو۔

دوسری اہم بات غیر جانبداری اور بے لوثی ہے کیونکہ ذاتی خواہش، گروہی مفاد اور

خارجی دباؤ عادلانہ فیصلوں کی راہ میں رکاوٹ کا باعث بن سکتے ہیں اور بنتے رہے ہیں۔ قرآن سنّت میں اس پہلو کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ نساء کی درج ذیل آیت قیام عدل کے سلسلے میں حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے:

یاایّھا الّذین اٰمنوا کونوا قوّامین بالقسط شھدآء لله ولو علی انفسکم اوالوالدین والاقربین ان یّکن غنیّا او فقیرا فاللّه اولی بھما. فلا تتّبعوا الھوی ان تعدلوا وان تلووا او تعرضوا فانّ اللّه کان بما تعملون خبیرا. (۶۷)

اے ایمان والو انصاف کی حمایت میں کھڑے ہو جاؤ اور اللہ کے لیے گواہ بنو اگرچہ تمہارا اپنا اس میں نقصان ہو یا ماں باپ کا' یا رشتہ داروں کا۔ اگرچہ دولت مند ہوں یا محتاج کیونکہ اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے' تو تم انصاف کرنے میں اپنے نفس کی خواہش کی پیروی نہ کرو اگر تم زبان ملو گے یا کچھ بچا جاؤ گے تو اللہ تمہارے کام سے واقف ہے۔

اس کی بہترین وضاحت ہمیں اسوہ رسولؐ میں ملتی ہے۔ قریش کے معزز قبیلہ کی ایک خاتون چوری کرتی ہے' حد نافذ کرنے سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی جاتی ہے جس کے جواب میں آپؐ ارشاد فرماتے ہیں:

انما ھلك من كان قبلكم انهم كانوا يقيمون الحد على الوضيع ويتركون الشريف والذى نفسى بيده لو ان فاطمة (بنت محمد) فعلت ذلك لقطعت يدها.(۶۸)

تم سے پہلے جو امتیں گذری ہیں وہ اسی لیے تو تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کم تر درجے کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور برتر درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے سے بھی ہرگز دریغ نہ کرتا۔

حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں:

رأیت رسول اللّهؐ یقید من نفسه. (۶۹)

میں نے رسول اللہ کو خود اپنی ذات سے بدلہ لیتے بھی دیکھا۔

اس درجہ کی بے غرضی و غیر جانبداری سے قیام عدل کا عمل بے حد مؤثر ہو جاتا

ہے اور مجرموں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ عہد رسالت اور خلفائے راشدین کا دور اس حقیقت پر شاہدِ عادل ہے۔

تیسری اہم بات جوابدہی کا تصور ہے۔ اصحاب عدل اپنے فیصلوں میں غلطی کر سکتے ہیں (۷۰) ۔ اور اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ یہ اصلاح اسی وقت ممکن ہے جب وہ اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے سامنے جوابدہ سمجھیں یعنی اگر ان پر تعبیر کی غلطی واضح ہو جائے تو اعتراف اور رجوع کی گنجائش موجود ہو۔ یہ جو توہین عدالت کا غیر اسلامی تصور رائج ہے یہ انسان کو معصوم اور مافوق البشر ثابت کرنے کا ذریعہ ہے۔ اسلام اسے تسلیم نہیں کرتا۔ اسلامی نقطہ نظر سے صاحب اختیار اپنے ہر فیصلے کے لیے اپنے خالق کے سامنے جوابدہ ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے لیے امّت مسلمہ کے سامنے۔ رسول اللہ کا ارشاد ہے:

ما من امیر یلی امر المسلمین ثم لا یجهد لهم ولا ینصح الالم یدخل معهم فی الجنة. (۷۱)

کوئی حاکم جو مسلمانوں کی حکومت کا کوئی منصب سنبھالے پھر اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے جان نہ لڑائے اور خلوص کے ساتھ کام نہ کرے وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں قطعاً نہ داخل ہو گا۔

جوابدہی کا قرآنی تصور فیصلہ کرنے والے کو ہر لمحہ چوکس رکھتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

ووضع الکتاب فتری المجرمین مشفقین ممّا فیه ویقولون یٰویلتنا مال لهذا الکتاب لا یغادر صغیرة وّلا کبیرة الّا احصاها ووجدوا ما عملوا حاضرا ولا یظلم ربّك احدا.(۷۲)

اور نامۂ اعمال رکھ دیا جائے گا تو آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ اس میں جو کچھ ہے اس سے ڈرتے ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ ہائے ہماری کم بختی۔ اس نامہ اعمال کی عجیب حالت ہے کہ بے قلم بند کیے ہوئے' نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ سب موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

یہ مقام صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کو حاصل ہے کہ ان کے فیصلوں سے سرتابی نہ کی جائے کیونکہ یہاں مجال اختلاف سے ایمان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے قرآن پاک میں ہے:

وما کان لمؤمن وّلا مؤمنة اذا قضی اللّٰہ ورسولہ امرا ان یّکون لهم الخیرة من امرهم ومن یّعص اللّٰہ ورسولہ فقد ضلّ ضلا لاً مّبینا۔ (۷۲)

اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو اپنے اُس معاملے میں ان کے لیے کوئی اختیار باقی رہ جائے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

قیام عدل کا عمل

عدل کے لئے جہاں اہل افراد درکار ہیں وہاں معاون اور سازگار ماحول بھی ضروری ہے نیز عادلانہ فیصلہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک سچی گواہی کا انتظام نہ ہو کیونکہ چرب زبانی اور غلط بیانی سے فیصلوں پر اثرانداز ہوا جا سکتا ہے۔ رسول اللہؐ جیسے صاحب وحی اپنے رفقاء کو خبردار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انما انا بشر وانه یا تینی الخصم فلعل بعضهم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انه صادق فاقضی له فمن قضیت له بحق مسلم فانما هی قطعة من النار فلیحملها اویذرها.(۷۴)

میں ایک انسان ہوں اگر میرے پاس کوئی مقدمے والا آتا ہے اور ایک دوسرے سے بہتر بات کرتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ سچا ہے اور میں اس کے موافق فیصلہ کر دیتا ہوں تو جس کو میں کسی مسلمان کا حق دلا دوں وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے اس کو لے یا چھوڑ دے۔

قیام عدل کے عمل میں جہاں مدعی کو خوف خدا دلایا گیا ہے وہاں جھوٹی گواہی سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ جھوٹی گواہی کے رواج سے پورا نظام عدل درہم برہم ہو سکتا ہے۔ قرآن میں ہے:

واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ. (۷۵)

اور جب بات کہو تو عدل کرو خواہ کسی قرابت دار کا معاملہ کیوں نہ ہو۔

مومنین کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

والّذین لا یشھدون الزّور واذا مرّوا باللّغو مرّوا کراما. (۷۶)

اور وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب ان کو بیہودہ چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو باوقار انداز سے گزر جاتے ہیں۔

کتمان شہادت کے بارے میں قرآن نے کہا:

ولا تکتموا الشّھادۃ ومن یکتمھا فانّہ اٰثم قلبہ واللّٰہ بما تعملون علیم. (۷۷)

شہادت کو مت چھپانا جو اس کو چھپائے گا وہ دل کا گنہ گار ہو گا اور خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

ولا نکتم شھادۃ اللّٰہ انّا اذا لّمن الاٰثمین. (۷۸)

اور نہ ہم اللہ کی شہادت کو چھپائیں گے۔ اگر ایسا کریں گے تو گنہ گار ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادۃ الزور کو کبائر میں شمار کیا ہے۔ (۷۹)

اجتماعی عدل کے اس تصور نے ملّت اسلامیہ کو ایک جسد کی مانند بنا دیا ہے یہاں سے وہاں تک ایک ہی احساس کام کرتا ہے۔ ایک عضو کو جو تکلیف پہنچتی ہے تمام اعضاء اس کے درد کی ٹیس محسوس کرتے ہیں۔ باہمی تعاون و تکافل کے اصول پر مستحکم ہونے والی اس ملّت کی حیات اجتماعی کو حضور اکرمؐ نے دلکش اور مؤثر تعبیر سے بیان فرمایا:

تری المؤمنین فی توادھم وتراحمھم وتعاطفھم کمثل الجسد اذا شتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی. (۸۰)

ہم لطف و کرم اور انس و محبت میں مسلمانوں کا حال جسم کا سا ہے کہ جب ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو بدن کا عضو عضو بے خوابی اور بخار کے ذریعے شریک غم بن جاتا ہے۔

مومنین کے باہمی تعاون کی ایک اور لطیف تشبیہہ کے الفاظ یہ ہیں:

المؤمن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً (۸۱)

ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت (کی اینٹوں) کی مانند ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو تھامے اور سنبھالے رہتی ہے۔

تعاون و تکافل یہ وہ اعلیٰ ترین معیار ہے جس تک ہمارا تخیل پرواز کر سکتا ہے۔ یہی اصول ہے جس کے تحت اجتماعی جرائم کے لیے سزائیں مقرر کی گئیں ہیں اور اگر انہیں تہ کر دیا جائے تو معاشرے کی اجتماعیت محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ رسول اکرم نے فرمایا:

كل المسلم على المسلم حرام دمه و عرضه وماله.(۸۲)

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر سب کچھ حرام ہے۔ اس کا خون' اس کی عزت و آبرو' اس کا مال۔

اجتماعی عدل اور خیر خواہی کا ایک لازمی تقاضا امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ معروف کا فروغ اور منکر سے روکنا انفرادی اور اجتماعی عدل کو مستحکم کرنے کا ذریعہ ہے' قرآن نے مومن کی ایک تعریف یہ بھی بیان کی ہے:

والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولياء بعض يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر. (۸۳)

مومن مرد اور عورتیں' سب ایک دوسرے کے رفیق و دمساز ہیں۔ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔

قرآن نے سورۂ مائدہ کی آیت ۷۸' ۷۹ میں بنی اسرائیل کو اس لئے ملعون قرار دیا کہ وہ ایک دوسرے کو برے اعمال سے نہیں روکتے تھے اور حدیث میں آیا ہے کہ:

لما وقعت بنو اسرائيل فى المعاصى تهتم علماء هم فلم ينتهوا فجالسوهم فى مجالسهم واكلوهم وشاربوهم فضرب الله قلوبهم بعضهم ببعض ولهنهم على لسان داؤد و عيسى ابن مريم.(۸۴)

جب بنی اسرائیل میں گناہوں کا بازار گرم ہوا تو ان کے علماء نے انہیں روکا لیکن وہ نہیں رکے البتہ ان علماء نے مجالس میں ان کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا اور ان کے ساتھ کھانا پینا جاری رکھا۔ پس اسی پر اللہ نے ان میں سے بعض (یعنی علماء) کے دلوں کے بعض دوسروں (یعنی عوام) کے دلوں کی مانند کر دیا اور ان پر عیسیٰ ابن مریم اور داؤد کی زبان سے لعنت بھیجی۔

ایک دفعہ کچھ لوگوں نے آیت:--

يايها الذين آمنوا عليكم انفسكم لا يضرّكم من ضلّ اذا اهتديتم. (۸۵)

اے ایمان والو! اپنی فکر کرو کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا اگر تم خود راہ راست پر ہو۔

سے یہ مفہوم نکالا کہ یہ کسی شخص کی ظلم و گمراہی پر خاموش رہنے کی اجازت فراہم کرتی ہے۔ ابو بکر صدیقؓ کو علم ہوا تو انہوں نے اس کی وضاحت کی، کتب حدیث میں اس کی تفصیل ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:

یایّھا النّاس انکم تقرء ون ھذہ الآیة وانکم تضعونھا علی غیر موضعھا وانی سمعت رسول اللّہ یقول ان الناس اذا رأ والظالم فلم یأخذوا علی یدہ او شك ان یعمھم اللّہ تعالیٰ بعقاب وانی سمعت رسول اللّہؐ یقول ما من قوم یعمل فیھم بالمعاصی ثم یقدرون علی ان یغیروا فلم یغیروا الا یوشك ان یعمھم اللّہ بعقاب۔ (۸٦)

لوگو تم اس آیت کو پڑھتے ہو اور اس کی غلط تاویل کرتے ہو میں نے رسول اللہؐ کو فرماتے سنا ہے کہ لوگوں کا حال جب یہ ہو جائے کہ وہ ظالم کو دیکھیں مگر اس کا ہاتھ نہ پکڑ سکیں تو پھر اللہ کو ان پر عام عذاب بھیجتے دیر نہیں لگتی اور میں نے رسول اللہؐ کو کہتے سنا ہے کہ کوئی قوم ایسی ہو جس میں گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہو اور کچھ لوگ اس حالت کے بدلنے پر قادر ہوں لیکن پھر بھی نہ بدلیں تو اللہ کی طرف سے سزائے عام نازل ہوتے دیر نہیں لگتی۔

گویا قیام عدل کی انفرادی اور اجتماعی کوششوں میں کوتاہی سے نہ صرف یہ کہ معاشرے کا سکون برباد ہوتا ہے بلکہ اللہ کی گرفت کا امکان بھی ہے جو دنیا و آخرت کی سب سے بڑی ذلّت ہے۔

☆☆☆

حواشی

۱- البقرہ : ۴۸

۲- الانعام: ۷۰

۳- المائدہ: ۹۵

۴- لسان العرب: جلد ۱۱: ص ۴۴۳

۵- المؤمن: ۲۰

۶- المؤمن: ۱۷

۷- الاحزاب:۴

۸- الانعام: ۱۱۵

۹- الملک: ۳، ۴

۱۰- آل عمران: ۱۸

۱۱- ص: ۲۶

۱۲- شوریٰ: ۱۵

۱۳- بخاری کتاب استتابۃ المرتدین : ۸/۵۲: ابن ماجہ، مقدمہ، ۱/۶۱-

۱۴- النحل:۹۰

۱۵- 'القسط' اسم مصدر ہے اور یہ عدل کے متبادل معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ اور اس مادہ کے مشتقات قرآن پاک میں ۲۲ مرتبہ وارد ہوئے ہیں۔ عدل ہی کے باعث میزان کو قسطاس کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ (الاسراء ۳۵، الشعراء ۱۸۲) اس اصطلاح کی نسبت اللہ کی طرف بھی ہے اور بندوں کی طرف بھی جیسے ونضع الموازين القسط ليوم القيامة. (الانبیاء ٤٧) اقيموا الوزن بالقسط ولا تخسروا الميزان(الرحمن ٩)۔ اس مادہ کے بعض استعمالات میں ظلم کے معنی بھی آئے ہیں۔ یعنی رفع عدل۔ اہل سنت نے اسے اضداد میں شمار کیا ہے۔

۱۶- المائدہ:۸

۱۷- الاعراف:۲۹

۱۸- البقرہ: ۱۴۳

۱۹- سورۃ اللیل: ۸ تا ۱۰

۲۰- النساء: ۳۷

۲۱- الفجر: ۲۰

۲۲- آل عمران:۱۴

۲۳- الہمزہ: ۱ تا ۳

۲۴- بنی اسرائیل: ۳۷

۲۵- النساء: ۳۶

۲۶- لقمٰن: ۱۸

۲۷- اعراف:۱۸۱

۲۸- ایضاً:۱۵۹

۲۹- العدالۃ الاجتماعیہ فی الاسلام

۳۰- النساء : ۱

۳۱- الحجرات: ۱۳-

۳۲- سیرت ابن ہشام:۴:۵۴

۳۳- ترمذی ، کتاب الدیات ، باب ماجاء فی الرجل ...۴/۲۶ ؛ ابو داؤد ، کتاب الدیات ، باب من قتل عبدہ ، ۴/۶۵۲، ۶۵۳ ، ۶۵۴

۳۴- البقرۃ :۲۲۸

۳۵- یہ درجہ مرد کی زیادہ ذمہ داریوں کے باعث ہے۔

۳۶- النساء : ۳

۳۷- البقرۃ : ۲۸۲

۳۸- الحدید: ۲۵

۳۹- ص:۲۶

۴۰- الحجرات:

۴۱- البقرہ:۱۲۴

۴۲- ص:۲۸

۴۳- ص:۲۰

۴۴- یوسف:۵۵

۴۵- بخاری کتاب الاحکام' باب من استرعی ...'۸/۱۰۷: مسلم ' کتاب الامارۃ' باب فضیلۃ الامام العادل'۶/۹

۴۶- مسلم، کتاب الامارۃ، باب کراہۃ الامارۃ، ۶/۶-۷

۴۷- کنز العمال، ۶/۱۲۲

۴۸- کتاب الامارۃ، ۶/۷

۴۹- البقرہ: ۱۸۸

۵۰- النساء:۱۰

۵۱- البقرہ:۲۷۵

۵۲- المطففین: ۱ تا ۳

۵۳- الاعراف:۳۱

۵۴- بنی اسرائیل: ۲۶، ۲۷

۵۵- الھمزہ: ۱ تا ۴

۵۶- التوبہ: ۳۴

۵۷- سورۃ ہود:۶

۵۸- سورۃ البقرۃ: ۲۶۷

۵۹- سورۃ المعارج: ۲۴، ۲۵

۶۰- الحشر:۹

۶۱- ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، باب فی حقوق المال، ۲/۳۰۵ ؛ مسلم، کتاب اللقطۃ، باب استحباب المؤاساۃ، ۵/۱۳۸

۶۲- النحل:۹۰

۶۳- النساء:۵۸

۶۴- مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، ۸/۱۸

۶۵- النساء:۵۸

۶۶- بخاری، کتاب الاحکام، باب ما یکرہ من الحرص، ۸/۱۰۶

۶۷- النساء : ۱۳۵

۶۸- ترمذی، کتاب الحدود، باب ماجاء فی کراھیۃ..... ۴/۳۸، ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب الشفاعۃ ۲/۸۵۱

۶۹- کتاب الخراج، ۱۱۶

۷۰- اجتہادی غلطی

۷۱- مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل، ۶/۹

۷۲- الکہف:۴۹

۷۳- الاحزاب:۳۶

۷۴- مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب الحکم بالظاہر، ۵ / ۱۲۸، بخاری، کتاب الاحکام، باب موعظۃ الامام، ۸ / ۱۱۳

۷۵- الانعام: ۱۵۲

۷۶- الفرقان:۷۲

۷۷- البقرہ: ۲۸۳

۷۸- المائدہ: ۱۰۶

۷۹- بخاری، کتاب الشہادات، باب ما قیل فی شہادۃ الزور، ۳/۱۵۱

۸۰- بخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس بالبھائم، ۷/۷۷، ۸۰

۸۱- ایضاً، ۷/۸۰

۸۲- مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم ظلم المسلم، ۸/۱۱؛ ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ، ۵/۱۹۶

۸۳- توبہ: ۷۱

۸۴- ترمذی، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ المائدۃ، ۵/۲۵۲

۸۵- المائدہ: ۱۰۵

۸۶- ترمذی، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ المائدۃ، ۵/۲۵۲

☆☆☆